© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اشارات کا ایک خصوصی سلسلہ اپریل سے شروع کیا تھا۔ سماعتوں کے کالعدم ہونے کے بعد میں نے اپنے ضمیر کی تحریک سے تمام خادمانِ دین کو اس غرض کے لیے مخاطب کیا کہ وہ اقامتِ دین کے نصب العین پر نگاہیں مرتکز کر کے امکانی حد تک جو کچھ کر سکتے ہیں، کریں۔ نیز وہ اپنے آپ کو جمود سے بھی بچائیں اور ناہنجار ذہنی انحرافات سے بھی۔ میں اپنے دورِ فرصت کو بانجھ نہیں رہنے دینا چاہتا جب کہ ہر لحظہ گھڑیال کی منادی یہ ہوتی ہے کہ گردوں نے عمر کی ایک اور گھڑی گھٹا دی ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری رہنا ہے اور میں ستمبر کے لیے اپنا مضمون لکھ چکا تھا مگر مسلمانوں کے تازہ مصائب کی لہروں نے میری توجہ مسئلہ قدس اور بھارتی مسلمانوں کی انتہائی مظلومی کی طرف منعطف کرا دی۔ اس دفعہ کے اشارات میرے احساسات ملت کے جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ بعد میں سابق سلسلہ اشارات بحال کر دیا جائے گا۔ (نعیم صدیقی)

(۱)

پہلا مسئلہ یروشلم کا ہے۔

یروشلم جو صہیونی ریاست کے بعد بھی مسلمانوں کے کنٹرول میں چلا آ رہا تھا، پچھلی جنگ میں یہودیوں نے اس پر قبضہ کیا، مسلمانوں کا عمل دخل ختم کیا۔ "مشرقی حصہ" جس میں مسلمانوں کی عظیم مقدس تاریخی مسجد اور گنبد صخرا واقع ہے، اس میں بے محابا تصرف ہی نہیں کیا، اس کی توہین بھی کی۔ اب کیمپ ڈیوڈ کے سمجھوتے کے مطابق ہونے والی بیگن سادات گفتگو کے عین دوران میں اسرائیلیوں نے تازہ اقدام یہ کیا کہ یروشلم سے متنازعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہر کو دارالحکومت بنا لیا۔ اور اس کے لیے پارلیمنٹ سے بل پاس کرا لیا۔ کجا یہ کہ غرب دریائے اردن کے عرب علاقے میں یہودیوں کی بستیاں بسانے کے خلاف مسلمانانِ عالم سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے، اوپر سے مادہ پرستانہ جمہوریت کے پیرائے میں لاجمہوریت کا نیا کرتب دکھا دیا گیا۔

اب مسلم اقوام اور حکومتیں اضطراب دکھا رہی ہیں اور ان کے اثر سے اقوام متحدہ نے بھی یروشلم کو صہیونی دارالحکومت بنانے کے خلاف قرارداد پاس کر دی ہے مگر ایسی کئی سابق قراردادیں اسرائیلی دھاندلیوں کے پیروں تلے پامال ہو رہی ہیں۔

یہ کونسا ڈھکا چھپا راز ہے کہ دونوں سپر پاورز کی سرپرستی صہیونی ریاست کو اس لیے حاصل ہے کہ مسلم دنیا کے ایک سرے پر یہ مسلم دشمن قوتوں کی ایک مضبوط چوکی ہے۔ بلکہ اسلحہ کے ذخیروں سے بھری ہوئی قلعہ بندی۔ اس سے مقصود تیل کے چشموں اور تجارتی منڈیوں کا تحفظ ہی نہیں بلکہ ملحدانہ تہذیب کو آگے بڑھانا اور مسلمانوں کو جارحیتوں، شرارتوں اور سازشوں سے اذیتیں دے دے کر کمزور کرنا بھی مطلوب ہے تاکہ مسلمان اول تو کبھی سر نہ اٹھا سکیں اور کچھ ترقی وہ کریں بھی تو اس شرط پر کہ احیائے اسلام کا کام نہ ہونے پائے۔

صدر امریکہ نے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کی پٹڑی بچھا کر "مصر اسرائیل دوستی" کی جو گاڑی چلائی تھی وہ ابھی بیچ راستے ہی میں تھی کہ وائٹ ہاؤس کے گرد صدارتی انتخاب کا طوفان امڈنے لگا۔ صدر کارٹر مجبور ہو گئے کہ کامیابی کے لیے یہودی ووٹ حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے انہیں صہیونیوں کی حرکتوں سے چشم پوشی کے ساتھ خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ بلکہ بعید نہیں کہ پورا پورا سودا اندر اندر ہی چک گیا ہو۔

سوال یہ ہے کہ اب کیا ہو؟ مسلم عوام میں سخت اضطراب ہے، حکومتیں احتجاجی بیانات دے رہی ہیں، ادارے اور تنظیمیں غم و غصہ سے بھری ہوئی قراردادیں پاس کر رہی ہیں، خطیب آتشیں تقاریر کر رہے ہیں، مدیران مؤثر اداریے لکھ رہے ہیں اور یہ ابتدائی ردِّ عمل تو ہونا ہی چاہیے۔

ایک مؤثر فیصلہ یہ ہوا ہے کہ جن ممالک کی حکومتیں تل ابیب سے اپنے سفارت خانے یروشلم منتقل کریں (یا واپس نہ لے جائیں)، ان کے خلاف تیل اور تجارت اور دوسرے دوستانہ تعلقات ختم کر دیے جائیں۔ اقوام متحدہ کی قرارداد میں بھی اس فیصلے کی تائید کی گئی ہے۔ بیشتر حکومتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا ہے۔ نئی آواز سعودی عرب کی ہے۔ یہاں سے شہزادہ فہد نے جہاد کا نعرہ بلند کیا ہے۔ یقیناً حقیقی حل یہی ہے اور ایک نہ ایک دن اس کو جامۂ عمل پہننا ہے۔ مگر جہاد کی دوسری جو کچھ بھی ضروریات ہوں، اولیں اہمیت اتحاد کی ہے جو اسلامی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے۔ اتحاد کا قیام بھی بجائے خود جہاد ہی کا ایک اقدام ہے۔

خدا کا احسان ہے کہ چند سال سے مسلم اقوام نے اتحاد کی سمت میں خاصی پیشقدمی کی ہے۔ مگر ابھی کچھ چٹانیں اور دراڑیں اس راہ میں رکاوٹ ہیں انہیں جلد دور ہونا چاہیئے۔

مسلم اقوام کی متعدد نزاعات ہیں، کیونکہ کچھ روس کے پرداختہ ہیں اور کچھ امریکہ کے سایۂ عاطفت میں۔ یہی صورتِ حالات حقیقی اسلامی اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وقت کے جو نو بہ نو چیلنج پندرھویں صدی کا افتتاح کرتے ہوئے ابھر رہے ہیں۔ ان کا توڑ کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ دونوں سامراجی قوتوں کا دست آموز ہونے سے انکار کر دیا جائے اور آزادانہ مؤقف سے اپنے معاملات کو ــــــ خواہ وہ زرعی و صنعتی ہوں یا تجارتی و مالیاتی، یا دفاعی ــــ اسلامی بصیرت کے ساتھ خود حل کیا جائے۔ جس سے بھی معاملہ کیا جائے اپنی آزادانہ اور خود دارانہ پالیسی کے تحت کیا جائے۔ جس دن یہ تبدیلی آگئی، سمجھیئے کہ مصیبت کے دن کٹ گئے۔

خاص طور پر یہاں مصر کی روش کا ذکر اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ برادر مسلم ملک خاصی بڑی تاریخ اور وقیع حیثیت رکھتا ہے اور اسرائیلی ریاست کے معاملے میں اس کا پارٹ اہم اور مؤثر رہا ہے۔ مگر کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کا امریکی جادو ایسا چلا کہ صدر سادات نے نہ تو عالمِ اسلام کے مجموعی رجحانات کی پرواہ کی اور نہ اپنے ہمسایہ عرب ممالک کی۔ اس طرح اختلاف کا ایک بڑا رخنہ مسلم محاذ میں پڑ گیا۔ بعض لوگوں نے پھر بھی حسنِ ظن قائم رکھا کہ شاید مصر کوئی داؤ کر کے ہر کر بڑی حد تک بازی جیت لے جائے گا۔ لیکن عالمِ اسلام سے انقطاع نے اُدھر اتنی کمزوری پیدا کر دی ہے کہ امریکہ اور یہود اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دریائے اردن کے مغربی علاقے میں یہودی بستیاں بسانے کا سوال تو پہلے ہی موجود تھا اور اب مسئلہ قدس یاس انگیز سطح تک جا پہنچا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ صدر سادات ان اقدامات کا سخت نوٹس لیتے اور صاف کہہ دیتے کہ ان اقدام کو واپس لینے کے بعد ہی صیہونی امید کر سکتے ہیں کہ ان سے گفت و

© rasailojaraid.com